امیر الہند محدث جلیل علامہ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمہ اللہ و نور مرقدہ

شہر کی اصطلاح میں "بڑے مولانا"

کچھ گزشتہ یادیں

ولادت ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء

وفات ۱۰ رمضان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

سانولے رنگ کے، سیدھے سادھے آدمی تھے، دو پلّی ٹوپی پہنتے، بڑے بال رکھتے، اکثر لنگی پہنتے، بہت خاموش بارعب شخصیت کے مالک تھے، سادگی کے باوجود علم کا ایسا رعب تھا کہ بڑے بڑے علماء ان کے سامنے خاموش باادب بیٹھتے، مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کو فرماتے سنا: میں مولانا کو اپنا استاذ مانتا ہوں، مولانا منظور نعمانیؒ تو باقاعدہ شاگرد تھے، دوسرے بہت سے علماء کو دیکھا بڑا احترام کرتے ہوئے۔

مولانا اعظمیؒ ہر فن میں ماہر تھے، عربی ادب، منطق و فلسفہ میں بھی، فقہ، تفسیر، حدیث تو اصل موضوع تھا، فقہ پر بھی بہت گہری نگاہ تھی، جمعیۃ العلماء ہند کے ایسے مفتی تھے کہ مختلف فیہ مسائل میں ان کی رائے فیصلہ تھی، تفسیر پر بھی وسیع نظر تھی، حدیث میں بھی خاص طور پر فن اسماء الرجال میں بے مثال اور بے نظیر عالم تھے۔

میں نے بڑے مولانا سے بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا، ہمارے زمانہ سے بہت پہلے وہ پڑھانا چھوڑ چکے تھے، حدیث کی کتابوں پر تعلیق و تحقیق کا کام کرتے تھے، کبھی کبھی بخاری شریف کا کچھ حصہ تبرعاً پڑھا دیا کرتے، ہم نے اسی طرح ان سے پڑھا، اُن کے محلّہ کی مسجد میں ہم لوگ چلے جاتے،

مسجد میں آکر پڑھاتے، تقریر جامع، مختصر ہوا کرتی تھی۔

رسالۃ الاوائل پڑھ کر حدیث کی ۴۳ کتابوں کو اجازت لی[1]۔

مولانا میرے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے، عصر کے بعد پٹھان ٹولہ میں مفتی عبد الباری صاحبؒ (مفتی جامعہ مفتاح العلوم) کے گھر کے سامنے چارپائی پر بیٹھتے تھے، کچھ لوگ آتے، ملتے اور بیٹھتے، مئو ناتھ بھنجن کی بولی میں "بات چیت" ہوتی، کبھی خبریں ہوتیں، کبھی دینی باتیں ہوتیں۔

میں نے مولانا کی نگرانی میں دورہ سے فارغ ہونے کے بعد حدیث و فقہ میں تخصص کیا، امام ابو یوسفؒ کی سیرت لکھی، طلاق ثلٰث پر ایک کتاب لکھی، شامی کی ۵ جلدوں کا (جہاں تک یاد ہے) بالاستیعاب مطالعہ کیا، کچھ کتابیں مفتاح العلوم میں پڑھاتا بھی تھا، ڈھائی سال اس طرح گزرے کہ کتب خانہ کا ناظمِ کتبخانہ سے زیادہ واقف کار ہوگیا تھا، شامی کا کچھ مطالعہ ہوجاتا تو مولانا کچھ سوالات دیتے کہ اس کا جواب عبارت کے حوالے ساتھ لکھ کر لاؤ، مدرسہ کے مفتی صاحبؒ سے بھی فرمایا تھا کہ اس کو

---

(١) صورة إجازة المحدث الكبير العلامة حبيب الرحمن الأعظمي

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد: فقد قرأ علي هذه الرسالة الولد العزيز الفاضل الذكي فضل الرحمن بن حفيظ الرحمن المئوي، وأجزت له رواية ما تحويه بشرطها المعتبرة عند أهل العلم، وأوصيه بتقوى الله في السر والعلانية، واتباع السنة، واجتناب البدعة، واقتفاء آثار السلف الصالح، وإحسان الظن بهم، وإكرامهم وإكرام من بعدهم من العلماء، والذب عنهم، وأن لا ينسانا في دعواته، وفقنا الله وإياه لما يحبه ويرضاه.

قاله بفمه وسطره بقلمه: حبيب الرحمن الأعظمي

في رابع شوال ١٣٩٣هـ

سوالات جو آتے ہیں ان جواب لکھنے کیلئے دیدیا کریں۔

اس کے بعد مجھے بنارس مظہر العلوم بھیج دیا، وہاں مجھے بہت عزت ملی، اسلئے کہ مولانا کا بھیجا ہوا تھا، چار سال رہا، اتنی مدت میں ترمذی تک پڑھایا، پھر جب ڈابھیل سے استاذ کا مطالبہ آیا تو اشارہ کردیا کہ وہاں چلے جاؤ، صاف نہیں فرمایا، اسلئے کہ دونوں جگہیں مولانا کے عقیدت مندوں کی تھی، بنارس کے مہتمم صاحب (مولانا اسحاقؒ) نے میری مدد کی اور رائے دی کہ تم ایک سال چھٹی لیکر چلے جاؤ، میں چھٹی منظور کروادوں گا، ورنہ یوں تو لوگ تم کو نہیں چھوڑ ینگے، ایسا ہی کیا، اس طرح ڈابھیل پہونچا، مولانا سے تعلق اور اعتماد کی وجہ سے ڈابھیل میں بھی مجھے بہت عزت ملی، تقریباً ۱۲ سال وہاں رہا۔

جب وہاں سے افریقہ آنے کی بات چلی تو والد صاحبؒ کے ذریعہ حضرت کا منشا میں نے معلوم کیا، رضاء مندی معلوم ہونے کے بعد افریقہ کی دعوت قبول کی اور استخارہ کے بعد بہت ڈرتے ہوئے یہاں آیا، اسلئے کہ یہاں دنیا بہت ہے، کہیں دنیا مقصد نہ بن جائے، اور نیت کی کہ ان شاء اللہ مرتے دم تک تبلیغی کام سے اپنا تعلق قائم رکھوں گا، کیونکہ یہاں سے جو دعوت ملی تھی اس میں تبلیغی کام سے تعلق کو خاص دخل تھا (فیما أعلم)۔

ڈابھیل میں میں نے قرآن کریم کا حفظ کیا، پہلے سے چند پارے آخر کے یاد تھے جن کا ترجمہ پڑھا تھا، یہاں مکمل گیا، تو پہلے سال اکیلے اپنی مسجد میں تراویح سنائی، روزانہ دو پارے کی تراویح ہوتی تھی، ۱۵ میں ختم، اسلئے کہ ہماری مسجد میں حنفیوں اور غیر مقلدین کے درمیان اسی طرح صلح ہوئی تھی، ابتدائی ۱۵ دن ہم تراویح پڑھیں گے اور بعد کے ۱۵ میں وہ لوگ تراویح پڑھیں گے، وہ اکثر ألم تر کیف پڑھتے تھے، ان کو حافظ مشکل سے ملتے تھے۔

آخری دنوں میں حضرت مولاناؒ کو ان کے گھر میں تراویح سناتا تھا، بیماری کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکتے تھے، پیچھے وہاں کوئی سننے اور لقمہ دینے والا نہیں تھا، میں کہتا کہ حضرت کسی سننے والے کو بلا لیجئے تو فرماتے: بوڑھا اور بیمار ہو گیا ہوں، ورنہ دن میں ایک دو دفعہ پڑھ لیتا تھا تو لقمہ دیتا تھا، اب حافظہ ایسا نہیں۔

مولانا حافظ قرآن نہیں تھے لیکن قوت حافظہ ضرب المثل تھی، سوانح حیات (حیات ابو المآثر) میں اس کے واقعات لکھے ہیں۔

عیدین کی نماز میں بھی مجھے جامع مسجد مئو میں امام بناتے تھے، ان کے محلّہ کی مسجد میں بھی مغرب کی نماز پڑھنی ہوتی تھی تو وہاں بھی نماز پڑھانے کا حکم ہوتا تھا۔

ہمارے والد صاحبؒ نے حضرت مولانا سے شروع سے اخیر تک پڑھا تھا، والد صاحب پر بہت اعتماد فرماتے تھے، مرقاۃ العلوم میں والد صاحب نے حضرت کی موجگی میں بخاری شریف پڑھائی، مدرسہ کے مفتی تھے، اسی تعلق کی وجہ سے ہماری طرف بھی نظرِ توجہ تھی۔

مجھ سے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ تم میرے فتاویٰ جمع کردہ، لیکن پھر دینے کی نوبت نہیں آئی اور میں شہر سے باہر چلا گیا، اب تک مولانا کے فتاویٰ جمع نہیں ہوئے۔

دار العلوم دیوبند کے شوریٰ کے رکن تھے، دار العلوم دیوبند کے فارغ نہیں تھے، نصف سال تقریباً رہے ہوں گے، علامہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہم سے پڑھا تھا، فراغت دار العلوم مئو سے ہوئی

تھی لیکن دار العلوم کے فضلاء میں اور تاریخ دار العلوم میں ان کا نام لکھا گیا ہے، بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ادارے ان کو اپنی طرف منسوب کرتے ہے، مولانا ایسے ہی شخصیت کے مالک تھے، شوریٰ میں مولانا علی میاںؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مفتی عتیق الرحمن دیوبندیؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا منظور نعمانیؒ سب موجود تھے لیکن شوریٰ کے امیر حضرت مولانا اعظمیؒ تھے۔

ایک سال مجھے حضرت مولانا کے خادم کی حیثیت سے مئو سے دیوبند لے گئے تھے، میں نے یہ نظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، مشورہ میں تو نہیں جاتا تھا لیکن کھانے پینے، سونے میں ساتھ رہتا تھا، ان اکابر کے ساتھ دسترخوان پر ہوتا، ان کی باتیں سنتا، بڑے بڑے اساتذہ مولانا بہاریؒ وغیرہ خدمت کیلئے آتے اور کہتے: مولانا میرے لئے یہ طے کرا دیجیئے، میرے لئے یہ منظور کرادیجئے، کبھی مذاق ہوتا۔

مزاج بہت نازک تھا، سفر میں ریل میں لوٹا جہاں سے اٹھایا اگر دوسری جگہ رکھ دیا تو ناراض ہوگئے، بڑے بڑے مالدار خدمت میں حاضر ہوتے، استغناء بہت تھا، اگر غلطی کی تو سخت ڈانٹ سنتے اور بعض تو پھر آتے بھی نہیں، خودداری بہت تھی، خوشامد پسندی بالکل نہیں تھی، علم کی شان اور علم کا رعب قابل دید تھا، رمضان المبارک میں جمعہ کے بعد وعظ ہوتا تھا، بڑا مؤثر اور روح افزاء، خالص قرآن وحدیث کا بیان، مجمع بہت ہوتا تھا اور خوب فائدہ ہوتا۔

شہر میں چاند کی رؤیت کا فیصلہ کرتے، نصف رمضان کے بعد بازار سے تین قسم کا گیہوں منگواتے، اوسط کے لحاظ سے نصف صاع گیہوں کی جتنی قیمت ہوتی اس کا اعلان کرواتے، سب لوگ اس پر عمل کرتے۔

اخیر زمانہ میں اپنوں سے بہت اذیت اٹھائی، اقتدار کی ہوس والوں نے آپ کو بہت صدمہ پہنچایا، نبیوں کی سنت پر عمل کیا، لڑائی جھگڑے میں نہیں پڑے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے، أعلی اللہ درجاته وتقبل الله حسناته۔

حیات ابو المآثر پڑھئے تفصیل معلوم ہوگی، میں نے اپنے سے تعلق چند چیزیں ذکر کردیں

ع سفینہ چاہئے بحر بیکراں کے لئے

علمائے کاملین اور اولیاء صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے، تنزل الرحمة عند ذكر الصالحين، اور ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کر کے علم و عمل کے میدان میں قدم آگے بڑھانے کی توفیق ملتی ہے، ہم سب کو اللہ تعالی یہ توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

فضل الرحمن

آزادول

۱۲ صفر ۱۴۴۰ھ

۲۲ اکتوبر ۲۰۱۸ء